اداریہ

پیغام سیرت

محبت نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد

لفظ محبت لغت میں

محبت کے لغوی معنیٰ میں اہل لغت نے کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ لفظ محبت حب سے ماخوذ ہے، دونوں کے معنیٰ میں لزوم واثبات شامل ہے،(۱) امام راغب کہتے ہیں کہ حبتُ فلاناً کا معنیٰ ہے:

اصبت حبة قلبه

میں نے اس کی دلی محبت حاصل کرلی۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ اسی طرح استحباب کا معنیٰ ہے کہ انسان کسی کے بارے میں یہ کوشش کرے کہ وہ اس کی محبت حاصل کرلے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۲)

اور ہم نے ثمود کو بھی ہدایت کی تھی۔ پھر بھی انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔ (۳)

۱۔ ابن فارس۔ مقاییس اللغۃ: ج ۲، ص ۲۶

۲۔ حم السجدہ: ۱۷

۳۔ راغب اصفہانی۔ المفردات۔ بہ ذیل مادہ حب

ابن منظور کہتے ہیں کہ محبت کا مترادف وداد ہے، اور اس کی ضد بغض ہے۔ (۳الف) المعجم الوسیط میں مذکور ہے کہ حب، محبت اور دلی میلان کو کہتے ہیں، جو کسی شخصیت، یا ایسی کسی چیز کی طرف ہوتا ہے، جو نہایت پسندیدہ ہو، یا اس میں انسان کو کشش محسوس ہو یا وہ انسان کے لیے مفید اور نفع مند ہو۔ (۴)

اصطلاح میں

اصطلاح میں علمائے فن اور اہل لغت نے محبت کے حوالے سے تفصیل سے بحث کی ہے، امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ محبت ایسے ارادے کو کہتے ہیں کہ جس میں انسان خیر اور بھلائی دیکھتا ہے، یا اس کا گمان کہتا ہے کہ اس میں خیر ہے، اس کی تین شکلیں ہوتی ہیں:

۱۔ لذت کے لیے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا O (۵)

وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

۲۔ فائدے اور نفع کے لیے۔ قرآن حکیم میں اس معنیٰ میں مذکور ہے:

وَأُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ط نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ (٦)

ایک اور چیز بھی دے گا جسے تم پسند کرتے ہو۔ وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے۔

۳۔ فضل وکمال کی وجہ سے۔ جیسے کسی سے علم وفضل کی وجہ سے محبت کی جائے۔ (۷)

شعرا نے محبت نبوی خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ **المرء مع من أحب** اور **أنت مع من أحببت** کے حوالے سے عمدہ اسالیب میں اشعار کہے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک مقام پر کہتے ہیں:

و قائل هل عمل صالح
اعددته ينفع عند الكرب
فقلت حسبی خدمة المصطفیٰ
و حبه فالمرء مع من احب

۳الف۔ ابن منظور۔ لسان العرب: بہ ذیل مادہ حب

۴۔ المعجم الوسیط: ص ۱۵۰

۵۔ الدھر: ۸

۶۔ الصف: ۱۳

۷۔ المفردات: ص ۱۰۵۔ بہ ذیل مادہ حب

کہنے والا جب کہتا ہے کہ کیا تو نے کوئی نیک عمل ایسا تیار رکھا ہے، جو تجھے (آخرت کی) تکالیف میں فائدہ دے سکتا ہو؟ تو میں اسے کہتا ہوں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی محبت کافی ہے کہ انسان (آخرت میں) اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے اسے محبت ہوگی۔

اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے:

و حق المصطفی لی فیه حب
اذا مرض الرجاء یکون طبا
ولا ارض سوی الفردوس مأوی
اذا کان الفتی مع من احبا

محبت نبوی سے مراد

اب اہم ترین سوال یہ ہے کہ جب لفظ محبت کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استعمال ہو تو اس سے کیا مراد ہوتا ہے؟ اس حوالے سے بھی اہل علم نے مختلف آرا ذکر کی ہیں۔

۱۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے اتباع رسول مراد ہے، ان کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے کہ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (۸)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔

۲۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ محبت نبوی سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت، آپ کی سنت مبارکہ کے حوالے سے اعتراضات کا رد اور آپ کی مکمل فرمابرداری واجب ہے۔

۳۔ ایک قول یہ ہے کہ محبت نبوی سے مراد ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دوام ہے، یعنی ہمیشہ ذکر نبوی میں مشغول رہنا۔

۴۔ بعض حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایثار اور سب کچھ قربان کر دینے کے جذبے کو محبت کا عنوان دیا ہے۔

۵۔ بعض کا کہنا ہے کہ محبت تو دراصل محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق و اشتیاق کا نام ہے۔

۸۔ آل عمران: ۳۱

۶۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ محبت کا مفہوم ہے کہ دل کی مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہو جائے، یعنی جس کو وہ محبوب رکھے، اسے یہ بھی محبوب رکھے، اور جسے وہ برجانے اسے یہ بھی برا سمجھے۔ (اس لیے کہ محبت نبوی محبت الٰہی کا سبب ہے)۔ (۹)

لیکن غور کیا جائے تو یہ تمام اقوال نفس محبت نہیں اس کے ثمرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یہی سبب ہے کہ صاحب الشفا یہ تمام اقوال ذکر کر کے کہتے ہیں کہ یہ تمام اقوال حقیقت محبت نہیں بل کہ ثمرات محبت بیان کرتے ہیں۔ اصل حقیقت محبت تو انسان کا دلی طور پر کسی کی جانب میلان ہے۔ اس میلان اور رغبت کی کئی وجوہات ہوتی ہیں:

الف: کبھی یہ میلان اس لیے ہوتا ہے کہ اس کو پا کر انسان ایک لذت اور مسرت پاتا ہے، جیسے کسی اچھی صورت، اچھی آواز، اچھے کھانوں، اچھے مشروبات اور اس نوعیت کی دوسری چیزوں کا محبوب رکھنا، جن کی جانب ہر طبیعت سلیمہ مائل ہوتی ہے۔

ب: یا یہ میلان اس سبب سے ہوتا ہے کہ انسان اس سے عقلی اور طبعی طور پر روحانی مسرت کا احساس پاتا ہے۔ جیسے نیک لوگوں، علما، عارفین اور اہل خیر کی محبت۔ ان شخصیات کی جانب بھی انسانی طبیعت خود بہ خود مائل ہوتی ہے۔

ج: یا تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس شخصیت کا حسنِ سلوک انسان کو اس سے محبت اختیار کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

ان تمام وجوہات کو پیش نظر رکھا جائے تو واضح ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجوہ میں یہ تمام تفصیلات موجود ہیں۔ (۱۰)

اس حوالے سے چوں کہ ہم آئندہ عنوان کے تحت علیحدہ سے تفصیلات پیش کر رہے ہیں، اس لیے اس ضمن میں مزید تفصیلات سے احتراز کرتے ہیں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ایک مفکر کے الفاظ میں یوں بنتا ہے:

ان یمیل قلب المسلم الی رسول اللہ ﷺ میلا یتجلی فیہ ایثارہ علی کل محبوب من نفس و والد و ولد و الناس اجمعین و ذلک لا خصہ اللہ من کریم الخصال و عظیم الشمائل، وما اجراہ علی یدیہ من صنوف الخیر و البرکات لأمتہ و ما امتن اللہ علی

۹۔ قاضی عیاض۔ الشفا: ج ۲، ص ۱۹

۱۰۔ الشفا: ج ۲، ص ۲۰

العباد ببعثته و رسالته الی غیر ذلک من الاسباب الموجبة لمحبته عقلا و شرعا(۱۱)

مسلمان کا دل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اس طرح مائل ہو جائے کہ اس کے لیے آپ کی ذات کے علاوہ تمام پسندیدہ چیزیں بہ شمول خود اس کی اپنی جان، ماں باپ، اولاد اور تمام لوگ آپ پر قربان کرنے کو تیار ہو جائے۔ اور اس محبت کا سبب وہ عظیم کردار اور امتیازی اوصاف ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف فرمایا ہے۔ اور وہ برکات اور امور خیر بھی، جو آپ کے دست مبارک سے ظاہر ہوئے ہیں، اور انسانیت پہ وہ احسانات ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم محبت نبوی کے وجوب ولزوم کے حوالے سے آیات قرآنی اور احادیث کریمہ کا مطالعہ کریں، ہم مقام نبوی کے حوالے سے چند اشارے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ محبتِ نبوی ﷺ کی بحث کو مقامِ نبوت جانے بغیر واضح نہیں کیا جا سکتا۔

مقام نبوی ﷺ

مقام نبوی ﷺ اور خاص طور پر قرآن کریم کی روشنی میں مقام نبوی ﷺ پر گفت گو طویل موضوع ہے، یہاں محض چند اشارے مقصود ہیں۔ دیکھیے کہ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا ذکر کرتے کہتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۱۲)

اللہ نے یہ مؤمنوں پر احسان فرمایا کہ ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

آپ ﷺ پہلی اور آخری ہستی ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے یہ اسلوب اختیار فرمایا، قرآن کہتا

۱۱۔ عبد الرؤف محمد عثمان۔ محبۃ الرسول، بین الاتباع والابتداع۔ رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء، الریاض۔ ۱۴۱۴ھ: ص ۳۷

۱۲۔ آل عمران: ۱۶۴

ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (۱۳)

ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ ہی کی ذات والا صفات کی بابت ربّ العالمین فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ O (۱۴)

ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ ہی کے بیان اور شانِ نطق کے بارے میں قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی O (۱۵)

آپ اپنی خواہش سے نہیں کہتے، آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی کے مطابق کہتے ہیں۔

آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں، اس لئے آپ کی موجودگی کی وجہ سے کافروں تک سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ (۱۶)

اللہ ان کافروں پر بھی عذاب نہ کرے گا جب تک آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی شفاعت فرمائیں تو اللہ پاک کیوں نہ مہرباں ہوگا؟

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا O (۱۷)

اور اگر وہ جب گناہ کریں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی چاہیں اور آپ بھی ان کی شفاعت چاہیں تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن مجید میں تمام انبیائے کرام میں سے کسی کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی۔ صرف حضور اکرم ﷺ کی زندگی کی قسم اٹھائی ہے۔ ارشاد ہے:

۱۳۔ السبا: ۲۸

۱۴۔ الانبیا: ۱۰۷

۱۵۔ النجم: ۳، ۴

۱۶۔ الانفال: ۳۳

۱۷۔ النساء: ۶۴

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (۱۸)

آپ ﷺ کی زندگی کی قسم وہ اپنی مدہوشی میں بھٹک رہے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ (۱۹)

مجھے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

چناں چہ اس نکتے کے وضاحت کرتے ہوے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ماخلق اللہ تعالیٰ نفساً اکرم علی اللہ من محمد وما سمعت اللہ اقسم بحیاۃ احد غیرہ (۲۰)

اللہ تعالیٰ نے کوئی متنفس ایسا پیدا نہیں کیا جو حضور علیہ السلام سے زیادہ اللہ کی نظر میں مکرم و محترم ہو، اور آپ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک روایت میں اپنی پانچ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی (۲۱)

مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔

۱۔ نصرت بالرعب مسیرۃ شھر علی عدوی (۲۲)

ایک ماہ کی مسافت ہی سے دشمن پر میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی۔

۲۔ وجعلت لی الارض مسجداً و طھوراً، فایما رجل من امّتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل (۲۳)

۱۸۔ الحجر: ۷۲

۱۹۔ الزخرف: ۸۸

۲۰۔ اسماعیل حقی بروسوی۔ تفسیر روح البیان۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵ھ: ج ۴، ص ۴

۲۱۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۸، ص ۲۵۸

۲۲۔ احمد۔ مسند: ج ۶، ص ۳۰۲، حدیث ۲۰۹۲۴

۲۳۔ بیہقی۔ دلائل النبوۃ۔ دار الکتب العلمیہ: ج ۵، ص ۱۴۵

ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے۔سو جس کو نماز کا وقت ملے تو وہ (جہاں کہیں ہو) نماز پڑھ لے۔

۳۔ واحلت لی المغانم ولا تحل لاحد من قبلی (۲۴)

مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا ہے، جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔

۴۔ واعطیت الشفاعة (۲۵)

مجھے شفاعت کا حق دیا گیا۔

۵۔ و کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة (۲۶)

مجھ سے پہلے نبی اپنی قوم کے لئے خاص ہوا کرتے تھے، جب کہ میں ساری دنیا کے لئے نبی بن کر آیا ہوں۔

یہ چند اشارے اس امر کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا ہے۔

محبت نبوی کا وجوب

محبتِ نبوی ﷺ امرِ ربی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تلقین مختلف اسالیب میں فرمائی ہے۔ یہ بیان قرآن حکیم میں کئی مقامات پر موجود ہے، ایک مقام پر فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (۲۷)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

محبت انسیت سے پیدا ہوتی ہے، بل کہ اس کے بعد کا مرحلہ ہے، عام طور پر پہلے انسان مانوس ہوتا ہے، پھر محبت کا آغاز ہوتا ہے، موانست کے لئے قربت شرط ہے، خواہ وہ قربت نسبی ہو یا کوئی اور تعلق

۲۴۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۳۰۷، حدیث ۱۳۸۵۲

۲۵۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۱۷۵، حدیث ۱۹۲۳۶

۲۶۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۳۰۷، حدیث ۱۳۸۵۲

۲۷۔ آل عمران: ۳۱

اس کا سبب بنے۔ رسول اکرم ﷺ کا امت سے تعلق اس حوالے سے بھی سب سے قریبی ہے، یہ بہ جائے خود محبت کا سبب ہے۔ ایک مقام پر قرآن کریم اس تعلق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۲۸)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گم راہی میں تھے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (۲۹)

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آگیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

ایک مقام پر یہ فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (۳۰)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

اس آیت کریمہ سے بھی محبت نبوی کی صحیت اور وجوب بہ راہ راست ثابت ہوتا ہے۔

۲۸۔ آل عمران: ۱۶۴

۲۹۔ التوبہ: ۱۲۸

۳۰۔ التوبہ: ۲۴

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۳۱)

مومنوں پر نبی کا حق ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ کے بہ قول یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے ادنیٰ اور افضل و بہتر نہیں ہیں، وہ اہل ایمان میں شمار نہیں ہوسکتا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اس اولیت میں دو باتیں شامل ہیں:

الف: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نظر میں اپنے آپ سے زیادہ محبوب ہوں، کیوں کہ اولیت کی اصل تو محبت ہی ہے۔ اور پھر محبت میں مکمل سپردگی، اطاعت، رضا، تسلیم اور دیگر تقاضائے محبت شامل ہیں، جن کے بغیر محبت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

ب: بندۂ مومن کے لیے حضور علیہ السلام کا حکم اس حکم سے کہیں بڑھ کر ہونا چاہیے، جو غلام کے لیے اس کے آقا کا ہوتا ہے، یا اپنی اولاد کے لیے باپ کے حکم کا درجہ ہوتا ہے۔ (۳۲)

اس بنا پر بھی محبت نبوی ہر مسلمان کا دلی تقاضا ہے، یہ فطرت کی پکار ہے جو اس کے خمیر میں شامل ہے۔ اور محبت نبوی ﷺ شریعت کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے، خود نبی کریم نے فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (۳۳)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اپنے باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجائے۔

اسی طرح ایک روایت میں ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے محبت کو اپنی جان سے بھی زیادہ رکھنا ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

لایومن عبد حتی اکون احب الیہ من نفسہ، واھلی احب الیہ من اھلہ وعترتی احب الیہ من عترتہ وذاتی أحب الیہ من ذاتہ (۳۴)

کوئی شخص اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کی

۳۱۔ الاحزاب: ٦

۳۲۔ ابن قیم۔ الرسالۃ التبوکیۃ۔ مکہ مکرمہ، نشر المطبعۃ۔ السلفیۃ ۱۳۴۷ھ: ص ۲۱

۳۳۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۲، رقم ۱۵

۳۴۔ المعجم الاوسط: ج ٦، ص ۵۹، رقم ۵۷۹۰

جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اور میرے اہل وخانہ اس کے نزدیک اس کے اپنے اہل وخانہ سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں اور میری آل اس کے نزدیک اس کی اپنی آل سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے، اور میری ذات اس کے نزدیک اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

ان احادیث کا مطالعہ ہمیں وضاحت سے بتاتا ہے کہ ذات رسالت مآب علیہ الصلوۃ والتسلیم سے انتہائی درجے کا کمال محبت ایمان کا حتمی اور ناگزیر تقاضا ہے، جس میں ذرا سی کمی بھی ایمان میں کمی کا باعث بن سکتی ہے۔

ذات رسالت مآب سے محبت ایمان کا اولین مظہر بھی ہے، قرآن کریم سے بھی یہی ترتیب معلوم ہوتی ہے کہ پہلے وہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات کراتا ہے، پھر ایمان کی دعوت دیتا ہے، یا یوں کہیے کہ ایمان لانے کے لئے دلیل، حجت اور شاہد کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو پیش کرتا ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اثباتِ ذات کی دعوت دیتا ہے، فرماتا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (۳۵)

میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ سو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

قرآن کریم نے دعوت ایمان دیتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو پیش فرمایا، اور آپ کے اثبات کو ایمان کے لئے لازم قرار دیا، تاکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ معصوم ومنزہ حیات کا اثبات ہو جائے، تو آپ کے دیگر احکامات کو قبول کرنا اور انہیں دل سے مان لینا آسان ہو جائے گا۔ **فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ** (میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں) کا مفہوم یہ ہے کہ میری یہ طویل زندگی، جس میں جوانی بھی ہے، نوجوانی بھی، جس میں یتیمی بھی ہے، محنت بھی ہے، کاروبار بھی ہے، جذبات بھی ہیں، تعلقات بھی ہیں، سب مراحل کی گواہی اگر میرے حق میں ہے تو بعد کی زندگی میں لمحۂ واحد میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟ خصوصاً جس ذات کی امانت، دیانت، صداقت اور شرافت کا پورا علاقہ بلا امتیاز وتخصیص قائل ہو، اس کی بابت یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اچانک غلط بیانی سے کام لے گا، اور ذاتی مفاد کی خاطر ربِ کائنات کے حوالے سے بھی ایسی بات کہہ گزرے گا، جو درست اور مبنی بر حقیقت نہ ہو؟

۳۵۔ الیونس: ۱۶

محبت کا حکم

محبت کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ یہ ایک غیر اختیاری چیز ہے، یہ کسی سے کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، اس لیے یہ اعتقاد کیا مفہوم رکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر مسلمان کے لیے لازم ہے؟ اس بات کی وضاحت کے لیے جاننا چاہیے کہ محبت کی دو اہم ترین قسمیں ہیں:

۱۔ایک محبت طبعی

۲۔اور دوسری محبت عقلی

محبت طبعی یقیناً غیر اختیاری ہے، مگر محبتِ عقلی مکمل طور پر اختیاری امر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسانی عقل محبوب چیز کو دوسری چیزوں پر ترجیح دے۔ یہی سبب ہے کہ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ چناں چہ عبداللہ بن ہشام روایت کرتے ہیں:

كنا مع النبی وهو آخذ بید عمر بن الخطّاب، فقال له عمر: یارسول اللہ! لأنت احبّ الیّ من كلّ شیء الا من نفسی، فقال النبی ﷺ لا والّذی نفسی بیده حتّی أكون احبّ الیک من نفسک فقال له عمر فانه الآن، واللہ لانت احب الیّ من نفسی، فقال النّبی: الآن یاعمر (۳۶)

ہم حضور نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن خطاب ؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنے جان کے علاوہ ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! نہیں (تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا)، جب تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عمر ؓ نے پھر عرض کیا، خدا کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب (یعنی اب تمہارا ایمان مکمل ہوا)

غور کا مقام یہ ہے کہ اگر یہ بات ممکن نہ ہوتی، اور رسول اکرم ﷺ سے محبت انسان کے اختیار میں نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کا ان الفاظ میں حکم نہ دیتے' نہ اسی لمحے حضرت عمر فاروق کے کہنے پر الان فرماتے۔ اب ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ وجوہات کیا ہیں، جن سے اس عقلی محبت کا لزوم اور وجوب

۳۶۔ بزار۔ المسند۔ مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ۔ ۲۰۰۹ء: ج۸،ص ۳۸۳، رقم ۳۴۵۹

ثابت ہوتا ہے، اور ہر مسلمان پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجے محبت کرے۔

محبت کی وجوہ

انسان عقلی طور پر جب محبت کرتا ہے تو اس کے پیش نظر کئی ایک باتیں ہوتی ہیں۔ کسی شخصیت میں ان میں سے کوئی سبب بھی پایا جائے تو انسان کے لیے اس سے محبت کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ ان میں سے محض ایک دو نہیں تمام اسباب محبت موجود ہیں، اس لیے عقلی طور پر اس محبت کے وجوب میں کسی واقف شخص کو کوئی اشکال نہیں ہوسکتا۔ یہ موضوع دل چسپ بھی ہے، اور تفصیل طلب بھی، ہم اسے ذیل میں قدرے وضاحت سے پیش کرتے ہیں۔

الف

ہر انسان فطری طور پر حسن و جمال سے محبت رکھتا ہے، اور اس کی جانب قلبی انسیت اور رجحان محسوس کرتا ہے، اس باب میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ دنیائے انسانیت میں کمال بشریت کے ساتھ مبعوث کیے گئے، اور انسانی حسن وجاہت کا اعلیٰ، اکمل اور مکمل ترین پیراہن عطا کیا گیا۔ اس حوالے سے احادیث نبی میں موجود تفصیلات اور صحابہ کرام کے بیانات ایک غیر معمولی صورت حال پیش کرتے ہیں، جنہیں آپ ﷺ کی خصوصیت اور آپ کی شخصیت کا اعجاز قرار دینے کے علاوہ کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ چناں چہ براابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كان النبى ﷺ احسن الناس وجها، واحسنهم خلقا، ليس بالطويل البائن، ولا بالقصير (۳۷)

نبی کریم ﷺ لوگوں میں انتہائی خوب صورت چہرے والے، اور ان میں سب سے زیادہ بااخلاق تھے اور آپ نہ انتہائی طویل تھے، نہ پست قد، (بل کہ نہایت میانہ قد تھے)۔

حضرت براہی سے دوسری روایت میں آپ ﷺ کا حلیۂ مبارک یوں منقول ہے:

كان النبى ﷺ مربوعا، بعيد مابين المنكبين، له شعر يبلغ شحمة اذنيه رأيته فى حلة حمراء لم ار شيئا قط احسن منه (۳۸)

۳۷۔ بخاری، مناقب، باب صفۃ النبی۔ مسلم: فضائل رقم ۱۰۹

۳۸۔ ترمذی۔ الشمائل: رقم ۳

نبی کریم ﷺ انتہائی میانہ قد تھے، آپ کے شانے جوڑے تھے، آپ کے بال آپ کے کانوں کی لو تک تھے، سرخ جوڑے میں ملبوس میں نے کسی کو آپ سے زیادہ خوب صورت نہیں دیکھا۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت براابن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ انہوں نے کہا:

نہیں، بل کہ چودھویں کے چاند کی طرح۔(۳۹)

یہی روایت جابر بن سمرہ سے بھی منقول ہے۔(۴۰)

دراصل تلوار میں چمک ہوتی ہے، ایسی چمک جو آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے، انسانی نظر اس سے الجھن محسوس کرتی ہے، انسان کو راحت اور کشش اس چمک میں محسوس ہوتی ہے، جس پر اس کی نظر ٹھہر سکے، اور جم کر اسے دیکھ سکے۔ یہ یہ کیفیت اس چمک میں ہوتی ہے، جس میں نرمی، ملاحت اور کشش ہو، اسی سے جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔ ان صفات کے اظہار کے لیے صحابی رسول نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کی چمک کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی، جس کو آنکھ دیکھ بھی سکتی ہے اور ہر ایک اسے دیکھنا پسند بھی کرتا ہے، اور اس سے نظر ہٹانا ممکن بھی نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود اس کی طرف دیکھنے میں ایک تلطف محسوس ہوتا ہے، اسے دیکھنا آنکھوں کے لیے الجھن کا باعث نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

ایک اور صحابی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اپنا ذوق اور مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک روشن چاندنی رات میں آپ ﷺ کو ایک سرخ جوڑے میں ملبوس دیکھا، میں کبھی چودھویں کے چاند کو دیکھتا تو کبھی آپ کو، مگر اس وقت میری نظر کا فیصلہ یہ تھا کہ آپ ﷺ چودھویں کے چاند سے زیادہ خوب صورت ہیں۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذ سے کہا کہ آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیجیے، تو انہوں نے کہا:

یا بنی لو رأیتہ رأیت الشمس الطالعة (۴۱)

اے بیٹے، اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو گویا طلوع ہونے والے سورج کو دیکھتے۔

۳۹۔ بخاری: صفة النبی

۴۰۔ مسلم: فضائل، باب شیبہ

۴۱۔ ابن کثیر: الشمائل: ص ۱۸

حضرت انس بن مالک آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے، آپ کے چہرہ انور کا رنگ بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

ازھر اللون، لیس بالبیض امھق ولا بآدم (۴۲)

آپ کا رنگ سرخی مائل، سفید تھا، نہ بالکل خالص (برف کی طرح) سفید، نہ بالکل گندمی۔

بالکل سفید رنگ، جس میں ذرا ملاحت نہ ہو، اپنے اندر کشش نہیں رکھتا، اس طرح تیز گندمی رنگ بھی اپنی کشش کھو دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا رنگ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان تھا، اس لیے اس میں جاذبیت حد درجے تھی۔

یہ تفصیل تو محض آپ ﷺ کے چہرہ انور کے بارے میں تھی، آپ ﷺ کا حلیہ مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جس طرح منقول ہے، وہ آپ کے حسن سراپا کا خلاصہ بھی ہے، اور دیگر خصائص حسن کا اس میں احاطہ بھی ہے، وہ کہتے ہیں:

> آپ نہ بہت لمبے تھے نہ پست قد تھے، بل کہ درمیانے قد کے تھے، آپ ﷺ کے بال نہ بہت گھنگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے بل کہ تھوڑے گھنگھریالے تھے، آپ کے چہرۂ مبارک میں قدرے گولائی تھی، رنگ سرخ وسفید، آنکھیں سیاہ، پلکیں لمبی، جوڑ بڑے اور شانہ چوڑا تھا، ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی، ہتھیلیاں اور تلوے بھرے بھرے تھے، جب چلتے تو پیر زمین پر گاڑ کر چلتے گویا کہ نیچے اتر رہے ہیں۔ اگر کسی کی جانب دیکھتے تو پوری طرح متوجہ ہو کر دیکھتے۔ آپ ﷺ کے کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی، وہ خاتم النبین تھے، آپ سب سے اچھے سینے والے (حسد، کینے وغیرہ سے پاک) سب سے سچے لہجے والے، سب سے نرم طبیعت والے، اور بہترین معاشرت والے تھے، جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا تو ڈر جاتا اور جو آپ سے اچھی طرح گھل مل جاتا تو محبت کرنے لگتا، آپ ﷺ کی تعریف کرنے والا کہتا ہے کہ نہ میں نے آپ سے پہلے کوئی آپ جیسا دیکھا نہ آپ کے بعد۔ ﷺ۔ (۴۳)

اس بنا پر محبت کا یہ سبب ذات رسالت مآب ﷺ سے زیادہ کسی اور ذات میں نہیں پایا جا سکتا، اس لیے آپ ﷺ کی محبت کا وجوب ولزوم ہر مومن کے لیے اس کے ایمان کا حصہ ہے۔

۴۲۔ مسلم: فضائل، رقم ۱۱۳

۴۳۔ ترمذی: ج ۵، ص ۳۶۴۔ رقم ۳۶۵۸

ب

محبت کا دوسرا سبب علم فضل اور عقل وشعور ہوا کرتا ہے۔ اس باب میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی ذات اور شخصیت ایسی نہیں ہو سکتی، جو آپ سے بڑھ کر علم وفضل رکھتی ہو۔ چناں چہ قرآن حکیم نے جہاں عام انسانوں کے علم کا ذکر کیا تو فرمایا:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۴۴)

اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

لیکن جب ذات رسالت مآب علیہ الصلاہ السلام کا ذکر آیا تو قرآن حکیم کا انداز یہ تھا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُO وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO (۴۵)

اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل رہا ہے۔

یہاں صرف آیت کا مفہوم ہی قابل غور نہیں ہے، بل کہ آیت کا اختتام "عظیما" پر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمودہ علم کو اپنا عظیم فضل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وہ عطا کس قدر ہوگی، جسے وہ وہ خود عظیم فضل قرار دے؟

محبت کا ایک اہم ترین سبب علم وفضل اس لیے بھی ہے کہ یہ نعمت جس ذات سے حاصل ہوتی ہے، اس کے سامنے دل از خود جھک جاتا ہے۔ اس معیار کو پیش نظر رکھا جائے تو بھی کون سی ایسی ذات ہے جس سے پوری انسانیت کو علم وفضل حاصل ہوا ہو۔ دیکھیے آپ ﷺ کی ذات سے انسانیت کو سب سے پہلے قرآن کریم جیسا عظیم تحفہ میسر آیا، جو رہتی دنیا تک کے لیے علم وفضل کا ذخیرہ اور رہ نمائے انسانیت ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے لیے قرآن حکیم کہتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَO وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍO (۴۶)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گم راہی میں تھے۔

۴۴۔ بنی اسرائیل: ۸۵

۴۵۔ النساء: ۱۱۳

۴۶۔ آل عمران: ۱۶۴

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (۴۷)

جیسے ہم نے تم میں، تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

آل عمران میں جو کچھ فرمایا گیا اس میں لفظ من استعمال ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں میں سے قرآن حکیم میں جن چند نعمتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں بعثت نبوی وہ واحد نعمت ہے' جس کو یاد دلاتے ہوئے لفظ احسان ذکر فرمایا، اس بات سے ہی اس نعمت عظمیٰ کا مقام کس قدر سمجھا جا سکتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ عقیل اور سب سے زیادہ ذکی تھے۔ وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ میں نے اکثر کتابیں پڑھی ہیں، اور سب میں یہی پایا کہ آپ ﷺ عقل اور فہم کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ مقام ومرتبے کے حامل تھے اور آپ ﷺ کی رائے سب سے افضل اور صائب ہے۔

دوسری روایت میں وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام کتابوں میں یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک لوگوں کو جو عقل عطا کی ہے، وہ آپ ﷺ کو دی گئی عقل کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے دنیا بھر کی ریت سے ایک ذرہ نکال لیا جائے۔ (۴۸)

آپ ﷺ خصائص میں یہ بھی مروی ہے اور آپ نے خود فرمایا:

انی لاراکم من وراء ظهری (۴۹)

میں تمہیں اپنی پشت سے بھی دیکھ لیتا ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

كان النبی ﷺ یری فی الظلمة كما یری فی الضوء (۵۰)

۴۷۔ البقرہ: ۱۵۱

۴۸۔ قاضی عیاض۔ الشفا: ج ۱ ص ۵۰

۴۹۔ مالک بن انس۔ الموطا

۵۰۔ قاضی عیاض۔ الشفا: ج ۱ ص ۵۰

نبی کریم ﷺ اندھیرے میں بھی اس طرح دیکھ لیتے تھے۔ جیسے روشنی میں دیکھتے تھے۔

درحقیقت فہم وفراست اور ذکاوت وذہانت میں آپ ﷺ امی ہونے کے باوجود جس انداز سے ممتاز تھے وہ آپ ﷺ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ پیغمبر اور سب سے عالی مرتبت نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فطری طور پر ذکاوت وذہانت، فہم وفراست، سلامت فکر اور جودت طبع کے اعتبار سے بے مثال وباکمال پیدا کیا تھا۔ اور انسانی تاریخ کا مکمل غیر جانب داری سے مطالعہ کرنے والا شخص بالآخر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ ﷺ کے علاوہ اس مرتبے اور مقام کا حامل کوئی اور نہ آپ سے پہلے آیا نہ آپ کے بعد، اور سچ تو یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے تو آپ ﷺ کی مثال کیا ملے گی، حیات انسانی کے کسی ایک شعبے اور زندگی کے کسی ایک معاملے میں بھی آپ کے مقام ومرتبے کا کوئی شخص پاسنگ بھی نظر نہیں آتا، گو آپ ﷺ نے دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، نہ کسی سے تعلیم حاصل کی، اس کے باوجود آپ ﷺ کی ذات والا صفات تمام علوم ومعارف کا سرچشمہ اور حقائق ومعارف کا سرچشمہ ہے۔ آپ ﷺ کی ذات جس قدر علوم ومعارف کا منبع وماخذ ہے، دنیا میں کسی کو اتنے علوم کی ترویج وترتیب کا شرف حاصل نہیں ہوا، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ دنیائے علم وحکمت میں نئی راہیں پیدا کرنے کا موجب بنا اور آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہر بات مسلمانوں کے لیے ہی نہیں غیر مسلم دانش وروں اور اہل علم کے لیے بھی تحقیق وتدقیق کا بہترین موضوع بنی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے جو بے مثال علمی ورثہ چھوڑا ہے وہ آج بھی پوری کائنات کے لیے سرچشمہ ہدایت اور پوری بنی نوع انسان کے لیے چراغ راہ کا کام کر رہا ہے۔ (۵۱)

اور داؤد بن المحبرؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل ان میں سب سے عقل مند ہوتا ہے اور پھر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ فضیلت تمہارے نبی ﷺ کو حاصل تھی۔ (۵۲)

اس بنا پر رسول ﷺ کے فہم، عقل وشعور اور ذہانت وذکاوت کو بھی کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اگر کسی سے اس کے علم اور عقل وشعور اور فہم وفراست کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے، تو پھر اس باب میں بھی محبت کا آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور حق دار نہیں ہے۔

۵۱۔ دانش گاہ پنجاب۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد محمد رسول اللہ: ص ۱۱۱

۵۲۔ شامی: ج ۷، ص ۳

ج

محبت کا ایک اور سبب داد و دہش اور جود و سخا ہوتا ہے۔ بعض ایسی شخصیات کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے، جنہوں نے دنیا کے دلوں میں اپنی سخاوت کے ذریعے جگہ بنائی، مگر ان کی سخاوت محض سخاوت تھی، وہ سخی تو تھے مگر صرف سخی ہی تھے، ان کی وجہ شہرت نہ علم تھا، نہ کسی بھی نوعیت کی دوسری خصوصیت۔ جب کہ رسول اکرم ﷺ کی سخاوت ایک تو ایثار کی شان لیے ہوئے تھی، دوسرے آپ کی دیگر بہت سی ذمے داریاں اور شخصی امتیازات اس کے علاوہ تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کی سخاوت بھی امتیازی پہلوؤں کی حامل ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کا ذکر ہوتو خاصا مشکل ہوتا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے۔ آپ ﷺ سخاوت کی اس بلندی پر تھے کہ بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے، آپ کے بارے میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ماسئل رسول اللہ ﷺ عن شئی فقال لا (۵۳)

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا گیا ہو اور آپ نے اسے منع کر دیا ہو۔

یہ بات کہنا آسان ہے، مگر نبھانا مشکل، اور پھر جب بات پوری زندگی کی ہو تو اس کی اہمیت مزید دو چند ہو جاتی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

کان النبی ﷺ اجود الناس بالخیر واجود ما کان فی شھر رمضان، وکان اذالقیہ جبرئیل علیہ السلام اجود بالخیر من الریح المرسلة (۵۴)

نبی کرم ﷺ بھلائی کے معاملے میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور رمضان میں تو آپ کی سخاوت مزید بڑھ جاتی تھی۔ جب (رمضان میں) جبریل سے ملاقات ہوتی تو آپ تیز چلنے والی ہواؤں سے زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو آپ ﷺ نے دو پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا ریوڑ عنایت فرمادیا، وہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا کہ اسلام لے آؤ، کیوں کہ محمد (ﷺ) اتنا دیتے ہیں کہ اپنے فقیر ہونے کی بھی پروا

۵۳۔ مسلم: ج ۴ ص ۳۵، رقم ۲۳۱۱

۵۴۔ مسند احمد: ج ۸، ص ۱۷۵، حدیث ۳۴۲۵

نہیں کرتے۔(۵۵)

آپ ﷺ کی فرط سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کوئی چیز ذخیرہ نہیں فرماتے تھے، آپ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گواہی موجود ہے کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی چیز ذخیرہ نہیں رہتی تھی۔(۵۶)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت بلال کے پاس کچھ کھجوریں دیکھیں تو ان سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ کچھ ذخیرہ کر رہا ہوں، تاکہ کسی برے وقت کام آسکے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس کا خوف نہیں کہ یہ جہنم کا ٹکڑا بھی ثابت ہوسکتا ہے؟ پھر فرمایا:

اے بلالؓ خرچ کرو اور تنگی کا خوف مت کرو۔(۵۷)

دینے اور سخاوت کے حوالے سے ایک اور پہلو بھی اہم ہے۔ دینے والا عام طور پر اس وقت تک دیتا ہے، جب تک اس سے نیازمندانہ انداز میں طلب کیا اور اس کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے، لیکن اس انداز میں تو دینے والے سب ہی دیتے ہیں۔مگر ذات رسالت مآب ﷺ کی شان بلند یہاں ملاحظہ کیجیے کہ آپ کی فیاضی اور سخاوت محض عقیدت مندوں اور نیازمندوں تک محدود نہیں تھی، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی اور سخاوت سے لوگ اس قدر جری ہوگئے تھے کہ سختی و درشتی کے ساتھ بھی پیش آتے تھے، اور اسی کیفیت میں طلب کرتے تھے، مگر آپ ﷺ نہ صرف عفو و درگزر سے کام لیتے بل کہ انہیں ان کی امید سے زیادہ نواز دیتے تھے۔ایک بار ایک دیہاتی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر نہایت گستاخی سے سوال کیا اور آپ کی چادر مبارک کو کھینچا جس سے آپ ﷺ کی گردن پر نشان بھی پڑ گیا اور پھر وہ کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا میرے ان دو اونٹوں پر مال لاد دے، آپ ﷺ اس پر غصے تک نہیں ہوئے بل کہ تین بار استغفار پڑھا اور پھر اس کے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجور لادنے کا حکم دے دیا اور پھر رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی برکت کے ساتھ رخصت ہوجاؤ۔(۵۸)

آپ ﷺ اپنے لیے مال جمع کرنا درست نہیں سمجھتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب تک رقم آپ کے پاس موجود ہوتی تھی آپ گھر میں آرام نہیں فرماتے تھے، ایک مرتبہ رئیس فدک نے چار اونٹوں پر

۵۵۔مسلم: ج ۴،ص ۳۶،رقم ۲۳۱۶

۵۶۔ابن الجوزی۔وفاالوفا:ص ۴۴۲

۵۷۔الوفا:ص ۴۴۶

۵۸۔ابوداود: ج ۴،ص ۲۶۳،رقم ۴۷۷۵

مشتمل غلہ بھیجا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو قرض لے کر آپ ﷺ کے اخراجات کا بندوبست کرتے تھے اس وقت ایک یہودی کے مقروض تھے، انہوں نے غلہ بیچ کر یہودی کا قرض ادا کیا اور پھر آپ ﷺ کو مطلع کیا، آپ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ابھی کچھ بچا ہوا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ موجود رہے گا میں گھر نہیں جاؤں گا، حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ اس وقت کوئی سائل ہی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے وہ رات مسجد ہی میں بسر کی۔ دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آکر بتایا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی نے آپ کو سبک دوش کر دیا اور جو کچھ تھا وہ تقسیم ہوگیا، یہ سن کر آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر گھر تشریف لے گئے۔(۵۹)

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ قابل غور ہے۔ ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا، جو لاکھوں درہم پر مشتمل تھا۔ یہ رقم اتنی زیادہ تھی کہ اس سے پہلے کبھی اتنی رقم مدینہ منورہ میں نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے صحن میں ڈلوا دو۔ پھر جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کیا جو سامنے آتا گیا اسے دیتے گئے۔ جب سب تقسیم ہو گیا تو آپ ﷺ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔(۶۰)

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر احد پہاڑ بھی میرے لیے سونا بن جائے تو بھی میں یہ کبھی پسند نہیں کروں گا کہ ایسی تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، سوائے اس دینار کے جسے میں قرض کی ادائیگی کے لیے چھوڑ دوں۔(۶۱)

اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا ایک اس بنا پر بھی ہے کہ جود وسخا اور داد و دہش میں بھی کوئی آپ ﷺ کے مقابل نہیں آسکتا۔ اگرچہ آپ سے محبت کی دوسری وجوہ بھی دوسروں سے بڑھ کر موجود ہیں۔

د

محبت کا ایک اور سبب انسان کے حسن اخلاق ہیں، اس حوالے سے بھی کون ہے جو دربار نبوت کے مقابل اپنا مقام بنا سکے؟ یہاں بھی عالم یہ ہے کہ آں حضور ﷺ نے محض ماننے والوں کے سامنے نہیں دشمنوں کے لیے بھی حسن اخلاق کے جو مظاہر پیش کیے کہ آج بھی انہیں مثالی نمونے کے طور پر تو سامنے

۵۹۔ ابوداود: ج ۳، ص ۱۰۸، رقم ۳۰۵۵

۶۰۔ بخاری: کتاب الصلوۃ، باب القسمہ

۶۱۔ بخاری: کتاب الاستقراض

رکھا جا سکتا ہے، لیکن ان کے علاوہ کوئی اور مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔ چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا:

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا خلق قرآن ہی تو تھا۔(۶۲)

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول **کان خلقه القرآن** میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق کی جانب ایک باریک اور پوشیدہ راز ہے اور انہوں نے یہ کہنے سے کہ ''آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متصف ہیں'' جناب باری عز اسمہ سے شرم کی ہے (ورنہ درحقیقت ان کا مقصود یہی تھا) اور اس بات کو **کان خلقه القرآن** سے تعبیر فرمایا ہے، اور یہ بات ان کے وفور علم اور کمال ادب کی دلیل ہے۔(۶۳)

آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے امام ادب جاحظ نے عمدہ تجزیہ پیش کیا ہے، جو اختصار کی بھی اعلیٰ مثال ہے، وہ لکھتا ہے:

رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے اور زمین ہی نشست رکھتے تھے، عبا پہنتے اور مساکین کے ساتھ مجالست رکھتے تھے، بازاروں میں (اپنی ضرورتوں کے لیے) چل پھر لیتے تھے، اپنے ہاتھ کو تکیہ بنا لیتے تھے اور (کھانے کے بعد) اپنی انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے، آپ ﷺ کو کسی نے منہ کھول کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں فقط ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح ہی کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح ہی پیتا ہوں، اگر مجھے ایک معمولی دست کی دعوت دی جائے گی تو اسے بھی قبول کروں گا اور اگر بکری کے معمولی پائے بھی ہدیہ کیے جائیں گے تو انہیں بھی قبول کر لوں گا، آپ ﷺ نے تنہا کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ کبھی کسی غلام کو مارا اور نہ کبھی کسی اور کو مارا اللہ کے راستے جہاد کے سوا۔(۶۴)

یوں اگر حسن اخلاق کو بھی اگر معیار محبت قرار دیا جائے تو بھی جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اس کا حق دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۶۲۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ: ج ۱، ص ۱۷۵

۶۳۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف: ج ۲، ص ۳۶۴

۶۴۔ جاحظ۔ البیان والتبیین: ج ۲، ص ۱۲

۶

کبھی محبت کا سبب انسان کا اپنا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت ہوتی ہے۔ اگر محبت کا یہ سبب بھی تسلیم کیا جائے تب بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی اور ذات اُس بلندی پر نظر نہیں آتی، جس پر آپ فائز ہیں۔ اس باب میں بھی روایات کثرت سے موجود ہیں، یہاں پر بھی ہم چند اشارے ہی کافی سمجھتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کھانے کی کوئی چیز ہو تو بھیج دو۔ جواب ملا کہ پانی کے سوا کچھ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے دوسرے گھر پتہ کرایا تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ اسی طرح تمام ازواج کے ہاں سے پتہ کرایا اور ہر جگہ پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے آں حضرت ﷺ کو مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدل رہے تھے۔(٦٥)

اس حوالے سے اہم ترین بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فقر اور زاہد اختیاری تھا، چناں چہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے پیش کش کی کہ (اگر میں چاہوں تو) میرے لیے پورے بطحائے مکہ کو سونے کا بنا دیا جائے، مگر میں نے کہا نہیں میرے رب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن میں سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں، آپ ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی، اور جب بھوک لگے تو تیرے سامنے تضرع کروں (رووٴں گڑگڑاوٴں، تجھ سے مانگوں) اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد کروں۔(٦٦)

اس حوالے سے قاضی عیاض سے منقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان بھی قابل توجہ ہے۔ فرماتی ہیں:

> آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور نہ اس حالت کی کبھی کسی سے کوئی شکایت کی، نہ کسی کو بتایا۔ آپ ﷺ کو فاقے کرنا غنا سے زیادہ پسند تھا، ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری رات بھوک کی وجہ سے کروٹیں بدلتے ہوئے گزرتی، لیکن پھر بھی اگلے روز روزہ رکھنا نہ چھوڑتے۔ اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے زمین

٦٥۔ شبلی نعمانی۔ سیرت النبی: ج ۲، ص ۲۱۴

٦٦۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۵۵، رقم ۲۳۵۴

کے تمام خزانے اور پھل وغیرہ مانگنا چاہتے تو آپ ﷺ کو دے دیئے جاتے، میں (حضرت عائشہؓ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دیکھ کر رو پڑتی تھی، میں آپ ﷺ کے شکم مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرتی اور کہتی کہ میری جان آپ ﷺ پر قربان آپ صرف اتنا ہی مال قبول فرما لیتے جو آپ کی جسمانی قوت کو بہ حال رکھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ مجھے دنیاوی مال و دولت سے کیا واسطہ، میرے اولوالعزم بھائیوں (انبیائے کرامؑ) نے سخت سخت حالات میں بھی صبر کیا اور اسی حالت میں وہ اپنے رب کے پاس جا پہنچے۔ جہاں انہیں اپنے اعمال کے بدلے میں پورا اعزاز و اکرام ملا، مجھے اس امر سے شرم آتی ہے کہ میں دنیاوی عیش میں پڑ کر ان سے کم رہ جاؤں، میرے نزدیک سب سے اچھی بات اپنے بھائیوں (انبیائے کرامؑ) سے ملنا ہے۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (٦٧)

قرآن حکیم نے آپ کے ذوق عبات کے لیے فرمایا:

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (٦٨)

اے اوڑھنے والے! رات میں قیام کیا کیجیے مگر تھوڑی رات۔

اس لیے یہ سبب بھی کسی ذات میں پایا جا سکتا ہے تو ہر اعتبار سے بہ درجہ اتم آں حضور علیہ الصلاۃ والسلام میں موجود ہے، اس لیے محبت کے لزوم اور وجوب کا یہ سبب بھی ہر بندہ مومن پر آپ کی محبت لازم کرتا ہے۔

د

محبت کا ایک اہم سبب انسان کے مزاج کی نرمی اور شخصیت کا دھیما پن بھی ہے۔ جناب نبی رحمت ﷺ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ آپ انتہائی رحیم و کریم تھے۔ یہ بات محض صحابہ کرام کی شہادت تک محدود نہیں، خود قرآن حکیم کہتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (٦٩)

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم دل ہیں، اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل

٦٧۔ الشفا: ج ۱ ص ۵۰

٦٨۔ المزمل: ۱، ۲

٦٩۔ آل عمران: ۱۵۹

ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌO (۷۰)

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

آپ ﷺ خود امت کو رحمت وشفقت کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (۷۱)

جو کوئی ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ رحمت تو صرف بد قسمت لوگوں کے دلوں میں ہی سے نکالی جاتی ہے۔(۷۲)

آپ ﷺ کی بچوں پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب راستے میں کھیلنے والے بچوں پر آپ کا گزر ہوتا تو خود انہیں سلام کرتے تھے اور مسکرا کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔(۷۳)

اور اگر سواری پر سوار ہوتے تو بچوں پر مزید شفقت فرماتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیتے تھے۔(۷۴)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔(۷۵)

آپ ﷺ کا لطف وکرم انسانوں تک محدود نہیں تھا آپ کے رحم وترحم کا سلسلہ جانوروں اور چوپایوں

۷۰۔التوبہ:۱۲۸

۷۱۔ترمذی: ج ۳،ص ۳۶۹،رقم ۱۹۲۶۔ابوداؤد: ج ۴،ص ۳۱۱،رقم ۴۹۴۳

۷۲۔ترمذی: ج ۳،ص ۳۱۷،رقم ۱۹۳۰۔مسند احمد: ج ۲،ص ۱۸۸

۷۳۔مسلم: ج ۳ ص ۱۴۴،رقم ۲۱۶۸۔بخاری: کتاب الاستئذان، باب التسلیم علی الصبیان

۷۴۔مسلم: ج ۴،ص ۹۷،رقم ۲۴۲۸۔ابوداؤد۔ کتاب الجہاد، باب ۶۰

۷۵۔بخاری: کتاب الدعوات، باب ۵۸۔مسلم: ج ۴،ص ۲۱۲،رقم ۲۱۶۵

تک پھیلا ہوا ہے۔عرب میں جانوروں کو تکلیف دینے کے بہت سے دستور چلے آرہے تھے مثلاً زندہ جانور کا گوشت کاٹ لیتے تھے، جانور کی دم اور بال کاٹ ڈالتے تھے، جانور کو باندھ کر اس پر تیرا اندازی کی مشقتیں کرتے تھے، آپ ﷺ نے ان تمام بے رحمانہ کاموں کی ممانعت کردی اوران سے منع کیا۔(۷٦)

ایک دفعہ ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے۔ان کے ہاتھوں میں کسی پرندے کے بچے تھے۔اور وہ چیں، چیں کرر ہے تھے۔آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ بچے کیسے ہیں۔ان صحابی نے عرض کیا کہ میں ایک جھاڑی کے قریب سے گزرا تو ان بچوں کی آواز آرہی تھی۔ میں ان کو نکال لایا۔ان کی ماں نے دیکھا تو بے تاب ہو کر سر پر چکر کاٹنے لگی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ فوراً جاؤ اور ان بچوں کو وہی رکھ کر آؤ جہاں سے لائے ہو۔(۷۷)

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی قلبی رقت اور نرمی کے واقعات کثرت سے ہیں۔اور سیرت طیبہ میں اس نوعیت کی بہت سی تفصیلات موجود ہیں، جن سے آپ ﷺ کی رقت قلبی کے بارے میں شواہد سامنے آتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کی ایک نواسی قریب الوفات تھیں۔آپ ﷺ نے ان کو گود میں اٹھالیا، آپ ﷺ کے سامنے ہی ان کی وفات ہوگئی۔ام ایمنؓ جو آپ کی کنیز تھیں چلا کر رونے لگیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کے سامنے بھی رونا شروع کر دیا۔(اس وقت آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اس لیے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور آپ ﷺ بھی تو رو رہے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے حتیٰ کہ خود اس کی روح کو نکال لیا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد میں مصروف ہوتا ہے۔(۷۸)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔اس وقت آپ ﷺ کے آنسو ٹپک رہے تھے۔(۷۹)

۷٦۔سیرت النبی: ج ۲، ص ۲۳٦

۷۷۔ابوداؤد: ج ۳، ص ۱۲۲، رقم ۳۰۸۹

۷۸۔شمائل ترمذی: رقم ۳۲۴

۷۹۔مولانا محمد یوسف کاندہلوی۔حیاۃ الصحابہ: ج ۳، ص ٦۵

یہ تفصیلات اس بات کے لیے کافی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اس حوالے سے بھی دیکھا جائے تو وہ ہم پر لازم قرار پاتی ہے اور انسانی عقل کے اعتبار سے یہ حوالہ بھی آپ ﷺ کی محبت کو لازم و واجب کرتا ہے۔

ان چند پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے تو ہر پہلو سے جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت ہم پر لازم ہے۔ عقلی طور پر بھی ہر مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ اپنے دلی جذبات کو ذات رسالت مآب ﷺ کے حضور قربان کردے۔

محبت نبوی کے فوائد وثمرات

جیسا کہ ماقبل کی بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ محبت نبوی بندۂ مومن کے ایمان کی اساس ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر اس کے ذریعے انسان کو دو فوائد ایسے اہم حاصل ہوتے ہیں کہ صاحب ایمان نہ ان دونوں نعمتوں سے مستغنی رہ سکتا ہے، نہ ان کا متبادل اس کے پاس موجود ہے۔

الف:

ایک تو یہ کہ محبت لذت ایمان میں اضافے کا باعث ہے، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبیٔ رحمت علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد مبارک ہے، فرمایا:

> **ثلاث من کن فیه وجد حلاوۃ الایمان: ان یکون اللہ و رسوله احب الیه مما سواھما، وان یحب المرء لایحبه الا للہ، وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار (۸۰)**
>
> تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ ہوں گی، وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا، ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان کے ماسوا ہر چیز (پوری کائنات) سے زیادہ محبوب ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ اور تیسرے یہ کہ وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو وہ اسی طرح ناپسند کرے، جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

ب:

اور دوسری نعمت جو صحبت نبوی کی برکت سے بندۂ مومن کو حاصل ہوتی ہے، وہ ہے معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب، خصوصاً آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

۸۰۔ بخاری: ج۱، ص ۱۲، رقم ۶

اور آپ کا ساتھ۔ چناں چہ محبت نبوی کا مقام مزید بڑھاتے ہوئے یہ بھی فرمادیا گیا کہ اگر واقعتاً کسی دل میں محبت نبوی موج زن ہوگی تو اس کا ٹھکانا خود ذات رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ ہوگا۔ یہ مضمون کئی احادیث میں بیان ہوا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت تو کرتا ہے لیکن وہ ان تک نہیں پہنچ سکا۔ (ان جیسے عمل نہیں کیے)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المرء مع من أحب (۸۱)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

وماذا أعددت لها؟

تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

اس نے کہا:

کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا:

أنت مع من أحببت

تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی نبی اکرم کے اس فرمان سے ہوئی۔ میں نبی، ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں ان سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا، اگر چہ میں نے ان جیسے عمل نہ بھی کیے ہوں۔ (۸۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم سے عرض کی کہ اللہ کے رسول! آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۸۱۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۶۹، رقم ۵۱۲۷

۸۲۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۶۰، رقم ۳۶۸۸

آپ ﷺ نے فرمایا:

فانک مع من احببت

بلاشبہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ بات پھر دہرائی تو رسول اللہ نے پھر یہی جواب مرحمت فرمایا۔(۸۳)

امام طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک صحابیؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! بلاشبہ آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ یقیناً آپ مجھے میرے بیٹے سے زیادہ پیارے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی محفل میں آتا ہوں تو چین ملتا ہے۔ گھر بیٹھتا ہوں تو مجھے چین نہیں آتا، جب تک کہ آپ ﷺ کا دیدار نہ کرلوں جب میں اپنی اور آپ ﷺ کی موت کا تصور کرتا ہوں، سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ تو جنت میں داخل ہونے کے بعد انبیا کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں آپ ﷺ کا دیدار نہ کر پاؤں گا۔

اس موقع پر حضرت جبرئیلؑ اس آیت کے ساتھ تشریف لائے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (۸۴)

جو کوئی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کریں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا، پیغمبروں، صدیقوں، شہدا اور صالحین میں سے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر تلقین ہے، اور یہ محبت امت پر بہ طور حق نبوی کس درجے میں واجب ہے۔

معیت نبوی کا یہی مقام دیکھ کر صحابہ کرام کی کیا خواہش تھی؟ ملاحظہ کیجیے ایک محب رسول ﷺ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں آپ کی رفاقت کی فرمائش کی، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رات بسر کرتا تھا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں وضو کے لئے پانی اور دیگر ضرورت کی چیزیں لے کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''کسی چیز

۸۳۔ ابوداود: ج ۴، ص ۳۶۹، رقم ۵۱۲۶

۸۴۔ النساء: ۶۹۔ الہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۲، ص ۲

کی فرمائش کرو''۔ میں نے عرض کی:

میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا کوئی اور فرمائش ہے''۔ میں نے عرض کی: ''صرف یہی ایک فرمائش ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس فرمائش کو پورا کرانے میں بہت زیادہ سجدے کر کے میرے ساتھ تعاون کرو۔'' (۸۵)

عہد صحابہ میں محبت نبوی کے مظاہر

محبت نبوی کا فلسفہ اپنی جگہ، چوں کہ یہ ایک عملی حکم ہے، اور عمل کا ہی تقاضا کرتا ہے، اس لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ اس حکم کے اولین مخاطبین یعنی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کے سلسلے میں کیا مظاہر پیش کیے ہیں، اور ان کا عمل کیا تھا، اور ان کا عمل کس طرح اس باب میں ہماری رہنمائی کرتا ہے؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک تقاضا آپ کا ادب ہے۔ آپ ﷺ کے ادب و احترام کا صحابہ وکرامؓ بہت خیال رکھتے تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے جب صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان کا ادب ملاحظہ کیا تو اس نے جا کر قریش کے سامنے صحابہ کرامؓ کے آپ ﷺ کا ادب کرنے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا:

> اے قوم مجھے بارہا نجاشی قیصر اور کسریٰ کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا مگر مجھے کوئی بھی ایسا بادشاہ نظر نہیں آیا جس کی عظمت اہل دربار کے دل میں ایسی ہو جیسے اصحاب محمد ﷺ کے دل میں محمد ﷺ کی ہے۔ وہ تھوکتے ہیں تو لعاب دہن زمین پر گرنے نہیں پاتا، کسی نہ کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے۔ جب محمد ﷺ حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے سب سبقت کرتے ہیں۔ جب وضو کرتے ہیں تو مستعمل پانی کے لئے لوگ گرتے پڑتے ہیں گویا ان میں لڑائی ہو جائے گی۔ جب محمد ﷺ کلام کرتے ہیں تو سب کے سب چپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں محمد ﷺ کا اتنا ادب ہے کہ کوئی آپ کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ (۸۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کا واقعہ نہایت اہم ہے، جب ثانیٔ اثنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس سفر میں

۸۵۔ صحیح مسلم: ج۱، ص ۱۹۳

۸۶۔ البخاری: ج ۲، ص ۸۳۵

ایک سخت مرحلہ اس وقت آتا ہے، جب حضرت سراقہ بن مالک اس قافلے کا تعاقب کرتے ہوئے قریب پہنچ جاتے ہیں، اس سفر کے اسی مرحلے کی داستان حضرت براءبن عازب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کی ہے، صدیق اکبر کہتے ہیں:

فارتحلنا و القوم یطلبونا، فلم یدر کنا الا سراقة بن مالک بن جعشم علی فرس له۔ فقلت: یا رسول اللہ! ھذا الطلب قد لحقنا فقال: لا تحزن ان اللہ معنا، حتی اذا دنا منا فکان بیننا و بینه قدر رمح او رمحین او ثلاثة قال: قلت: یا رسول اللہ! ھذا الطلب قد لحقنا، و بکیت، قال لم تبکی، قلت: اما و اللہ! ما علی نفسی ابکی، و لکن ابکی علیک

قال: فدعا علیه رسول اللہ ﷺ فقال: اللھم اکفنا بما شئت فساخت قوائم فرسه الی بطنھا فی ارض صلا (۸۷)

حضرت براابن عازب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: ہم روانہ ہوئے تو لوگ ہمارے تعاقب میں تھے۔ ان میں سے صرف سراقہ بن مالک اپنے گھوڑے پر سوار ہمارے قریب پہنچ گیا، اس وقت میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے ہمارے قریب آپہنچا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غم نہ کرو، بلاشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر وہ ہمارے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ ہمارے اور اس کے درمیان ایک، دو یا تین نیزوں کے برابر فاصلہ رہ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ ہم تک آپہنچا ہے۔ اور (ساتھ ہی) میں رونے لگا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اپنے جان کو خطرے میں دیکھ کر نہیں رورہا بلکہ آپ کی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر رورہا ہوں۔ انہوں (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا کہ آں حضرت ﷺ نے اس کے لیے بددعا کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! جس طرح آپ پسند کریں ہمارے لیے اس کے مقابلے میں کافی ہوجایے۔

(نبی کریم ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں) اس کے گھوڑے کی ٹانگیں سخت زمین میں پیٹ تک دھنس گئیں۔

۸۷۔ احمد۔ المسند: ج ۱، ص ۱۵۵

اس واقع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا روخ نہایت اہمیت رکھتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی پروانہیں، میں تو آپ کو خطرے میں دیکھ کر رورہا ہوں۔

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہر وقت خدمت نبی ﷺ میں رہتے تھے، جب آپ ﷺ عشا کی نماز سے فارغ ہو کر حضور ﷺ کاشانہ نبوی میں تشریف لے جاتے تو آپ باہر دروازے پر بیٹھے رہتے کہ شاید کوئی کام پڑ جائے، اور میری قسمت جاگ اٹھے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ربیعہ سے فرمایا۔ ربیعہ تم شادی کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے شادی کی تو یارسول اللہ ﷺ آپ کا آستانہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بار بار اصرار کر کے انہیں شادی پر مجبور کیا۔(۸۸)

ایک صحابی کی بصارت ختم ہوگئی تو کہنے لگے آنکھیں تو مجھے اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی جب وہ ہی نہ رہے تو آنکھوں کے جانے کا غم کیا ہے۔(۸۹)

محبت کا یہ انداز بھی اپنے اندر ایثار وقربانی کی ایک داستان پنہاں رکھتا ہے۔

غزوہ احد میں حضرت عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ زخموں سے چور ہو گئے۔ جان کنی کی حالت میں ان سے خواہش پوچھی گئی تو کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرہانے پہنچے تو پوچھا عمارہ کیا کہ خواہش ہے۔ حضرت عمارہ نے جسم گھسیٹ کر سر قدموں میں رکھ دیا اور کہا کہ ان کے یہی خواہش تھی۔(۹۰)

معرکہ احد میں کچھ تیر انداز صحابہ کرام آں حضرت ﷺ کی طرف سے ٹیلے پر متعین کردہ جگہ کو چھوڑنے کی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ قریش مکہ کا ایک دستہ خالد بن الولید کی قیادت میں مسلمانوں پر پچھلی جانب سے حملہ کرتا ہے۔ اس حملے سے مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پھیل جاتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف بارہ صحابہ رہ جاتے ہیں، ان حالات میں ان صحابہ کرام نے آں حضرت ﷺ کا دفاع جس طرح کیا اس کا خاکہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

معرکہ احد میں جب مسلمان منتشر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ انصار اور طلحہ بن

۸۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ

۸۹۔ بخاری۔ الادب المفرد۔ دار الفکر، بیروت: باب عیادۃ المریض، ص ۱۲۰

۹۰۔ ایضاً: ج ۱، ص ۳۳۱

عبید اللہ رضی اللہ عنہم رہ گئے تو مشرک آں حضرت ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ نے نگاہ کو بلند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ’’قوم (مشرکوں) کا مقابلہ کون کرے گا؟‘‘

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو

انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا: میں اے اللہ کے رسول

آپ ﷺ نے فرمایا: تم (ٹھیک ہے تم مشرکوں کا مقابلہ کرو)

اس شخص نے مشرکوں سے لڑائی کی یہاں تک کہ قتل ہوگیا۔ آں حضرت ﷺ نے دیکھا کہ مشرک اسی جگہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قوم کا مقابلہ کون کرے گا؟

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں

آں حضرت ﷺ نے فرمایا تم اپنی جگہ پر رہو

ایک انصاری نے عرض کیا میں،

آپ ﷺ نے فرمایا: تم (ہاں ٹھیک ہے تم مشرکوں کا مقابلہ کرو)

وہ شخص مشرکوں سے لڑتے ہوئے قتل ہوگیا۔

آں حضرت ﷺ اسی طرح فرماتے رہے اور ہر مرتبہ ایک ایک انصاری صحابی سامنے آتے اور اپنے پیش رو کی طرح مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوجاتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے، پھر رسول اللہ ﷺ کے سوال کے جواب میں حضرت طلحہ نے عرض کیا میں اور پھر حضرت طلحہ نے گیارہ انصار صحابہ کے برابر لڑائی کی۔ دوران لڑائی ان کے ہاتھ پر وار ہوا اور ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ انہوں نے کہا: حس؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم (بسم اللہ) کہتے تو فرشتے لوگوں کے سامنے ہی تمہیں اٹھا لیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پھیر دیا۔ (۹۱)

ملاحظہ کیجیے کہ رسول اکرم ﷺ کے جاں نثاروں میں سے گیارہ صحابہ آگے بڑھتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک تن تنہا آپ ﷺ کے مقابل کرنے والوں سے لڑتا ہے اور بالآخر شہید ہوجاتا ہے، پھر حضرت طلحہ آگے بڑھتے ہیں، اور ان سب پر بازی لے جاتے ہیں۔ ان کی فداکاری کچھ معمولی نہ تھی، بل کہ وہ تنہا گیارہ افراد پر بھاری رہے، ان کا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے شل ہوگیا۔ چناں چہ امام بخاری حضرت قیس رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ

۹۱۔ سنن النسائی: ج ۲، ص ۶۶۱

ہاتھ دیکھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے شل ہو گیا تھا۔ (۹۲)

پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آں حضرت ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا صرف ہاتھ ہی شل نہ ہوا بل کہ سارا جسم چھلنی ہو گیا۔ ان کے جسم پر کم وبیش ستر زخم آئے۔ امام ابوداؤد الطیالسی حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو وہ ایک گڑھے میں تھے اور ان کے جسم پر تیر وتلوار وغیرہ کے کم وبیش ستر زخم تھے۔ (۹۳)

معرکہ احد میں ایک اور واقعہ نہایت اہم ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سختی کے عالم میں آں حضور ﷺ کے سینے کے سامنے اپنے سینے کو بہ طور ڈھال آگے کرتے ہیں، تاکہ دشمن کے تیروں کا وہ خود نشانہ بنیں اور آں حضرت ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ احد کے وقت لوگ تتر بتر ہو گئے۔ ایسے میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں ڈھال سنبھالے ہوئے خود نبی کریم ﷺ کے لیے ڈھال بن گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس روز دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں۔ اس دوران کوئی شخص تیروں کے ساتھ وہاں سے گزرتا تو نبی ﷺ اس سے فرماتے:

اپنے تیر ابوطلحہ کو دے دو۔

انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ حملہ آور کفار کو دیکھنے کے لیے اپنے سر مبارک اٹھاتے تو ابو طلحہ عرض کرتے کہ اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اپنا سر مبارک نہ اٹھایے۔ ایسا نہ ہو کہ مشرکوں کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے ڈھال ہے۔ (۹۴)

امام بن اسحاق ایک اور صحابی رسول ﷺ کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنا دیا اور اس طرح کہ نیزے ان کی پشت میں پیوست ہوتے رہے لیکن وہ آں حضرت ﷺ پر برابر جھکے رہے۔ حتیٰ کہ بہت سے نیزے ان کی پشت میں پیوست ہو گئے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے (نیزوں کے لگنے کے

۹۲۔ صحیح البخاری: ج ۸، ص ۳۵۹

۹۳۔ منحۃ المعبود فی ترتیب مسند ابی داؤد الطیالسی: ج ۲، ص ۹۹۔ فتح الباری: ج ۷، ص ۸۲، ۸۳

۹۴۔ بخاری: ج ۷، ص ۳۶۱۔ مسلم: ج ۲، ص رقم ۱۴۴۳

با وجود) حرکت تک نہیں کی۔ (۹۵)

محمد بن اسحاق ہی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب مشرک (غزوہ احد میں) آں حضرت ﷺ کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے اپنی جان کون بیچتا ہے؟ یہ سن کر زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ سمیت پانچ انصاری آگے بڑھے۔ پھر وہ پانچوں انصاری ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جانوں کو آپ پر نثار کرتے رہے، یہاں تک کہ زیاد یا عمارہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ پھر وہ بھی لڑتے رہے، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر وہ گر پڑے۔ اسی اثنا میں مسلمانوں کا ایک گروہ پلٹا اور انہوں نے وہاں سے ان کفار کو ہٹا دیا۔ صحابی رسول کے اس وقت آخری لمحات تھے، انہیں یہ سعادت ملی کہ آں حضور ﷺ نے فرمایا: ''انہیں میرے قریب کرو۔'' لوگوں نے انہیں قریب کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف اپنا قدم بڑھایا تاکہ وہ اس پر اپنا سر رکھ لیں۔ پھر ان کی موت کا وقت آ پہنچا۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ ان کا رخسار رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پر تھا۔ (۹۶)

اسی غزوۂ احد کا واقعہ ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معرکہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں روانہ کیا اور فرمایا کہ اگر سعد مل جائے تو انہیں میرا سلام کہنا، اور کہنا کہ رسول اللہ ﷺ دریافت کر رہے ہیں کہ تم کیسے ہو؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مقتولین میں گھومتے گھومتے حضرت سعد تک پہنچا تو وہ اپنی حیات مستعار کے آخری سانس لے رہے تھے۔ اسی وقت ان کے جسم پر تیر، تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ سعد! رسول اللہ ﷺ تمہیں سلام کہتے ہیں اور تمہاری کیفیت کے متعلق دریافت فرما رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول ﷺ پر سلام اور تم پر سلام۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے عرض کرنا کہ ''میں جنت کی خوش بو پا رہا ہوں۔ پھر میری قوم انصار سے کہنا کہ ''اگر تمہاری زندگی میں رسول اللہ ﷺ تک دشمن پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ کہتے ہی ان کی روح ان کے جسم سے پرواز کر گئی۔ (۹۷)

سبحان اللہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی اس سچے محب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی فکر دامن گیر تھی۔ اس کے علاوہ انہیں نہ کسی چیز کی خواہش تھی، نہ کسی بات کا غم تھا، زخموں سے چور تھے، لمحۂ آخر

۹۵۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۳۰

۹۶۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۹

۹۷۔ حاکم۔ المستدرک: ج ۳، ص ۲۰۱۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۳۸

تھا، اور زباں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت اور ان کی حفاظت کی وصیت تھی۔ محبت نبوی کی اس سے بڑھ کر معراج کیا ہوگی۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک روز خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا: دن کا آخری حصہ اور رات چل کر تم کل ان شاء اللہ پانی پر پہنچ جاؤ گے۔ اس پر لوگوں نے اس طرح چلنا شروع کیا کہ کوئی بھی دوسرے شخص کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ چلتے رہے، میں آپ کے پہلو میں تھا یہاں تک کہ آدھی رات ہوگئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اونگھے اور اپنی سواری کے ایک طرف جھک گئے۔ میں نے قریب ہوکر آپ کو بیدار کیے بغیر آپ کو سیدھا کیا تو آپ سیدھے ہوگئے۔ پھر آں حضرت ﷺ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ جب رات کا زیادہ حصہ گزر گیا تو آپ سواری کے ایک طرف جھک گئے۔ میں نے بیدار کیے بغیر آپ کو سیدھا کیا تو آپ سیدھے ہوگئے۔

آپ ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ سحری کے آخری حصے میں پھر سواری کے ایک طرف جھک گئے اور اس مرتبہ آپ ﷺ کا جھکنا پہلے دونوں مرتبہ جھکنے سے زیادہ تھا۔ میں نے قریب ہوکر آپ کو سہارا دیا۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: ابوقتادہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح کب سے میرے ساتھ چل رہے ہو؟ ابوقتادہ نے عرض کیا کہ رات بھر سے اسی طرح آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کی حفاظت کرنے کے صلے میں اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے۔(۹۸)

ملاحظہ کیجیے کہ پوری رات اپنی جان اور آرام دونوں کو تج کر اور خطرے میں ڈال کر ایک صحابی آپ ﷺ کی حفاظت فرما رہے تھے، اس سے بڑھ کر محبت نبی کا اور کیا مظہر ہوگا۔

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب سفر میں کسی مقام پر پڑاؤ ڈالتے تو گھاٹیوں اور وادیوں میں بکھر جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ تمہارا گھاٹیوں اور وادیوں میں اس طرح منتشر ہونا یقیناً شیطان کی طرف سے ہے۔

ذات رسالت مآب ﷺ کی اس تنبیہ کے بعد جہاں کہیں بھی رسول اللہ ﷺ پڑاؤ ڈالتے تو صحابہ ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہوتے تو دیکھنے والا یہ رائے قائم کرتا کہ اگر ان سب کے اوپر چادر بچھائی جائے تو سب اس کے نیچے یک جا ہو جائیں۔(۹۹)

۹۸۔ مسلم: ج۱، ص ۴۷۲

۹۹۔ ابوداود: ج۲، ص ۴۹۸

عرب معاشرے میں شراب ان کی زندگی تھی، اس باب میں روک تھام کا وہ تصور تک نہیں کر سکتے تھے، اسلام نے جب اس کی ممانعت کی تو اس موقع کی منظر کشی مشہور صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر ایک گروہ کو فضیخ نامی شراب پلا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے کہ شراب حرام قرار دے دیا گیا ہے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ یہ شراب باہر انڈیل دو۔

میں اٹھا اور میں نے فوراً شراب کو باہر انڈیل دیا۔ اس سارے عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربوں کی پسندیدہ اور ان کے ہاں نہایت قدر و قیمت رکھنے والی چیز شراب صرف ایک حکم نبوی کے نتیجے میں گلیوں میں بہنے لگی۔ (۱۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر یہ ردعمل تھا آپ سے سچی محبت کرنے والے پاک باز انسانوں کا۔

یہ سارا عمل کسی بھی چوں چرا اور قیل و قال کے بغیر مکمل ہوا۔ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں ابوطلحہ اور فلاں فلاں شخص کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ کیا تمہیں خبر مل چکی ہے؟ انہوں نے دریافت کیا کہ کون سی خبر؟ کہنے لگا: شراب کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے انس! ان مٹکوں کو الٹ دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حرمت خمر کے بارے میں آدمی کے اطلاع دینے کے بعد کسی نے نہ تو دوبارہ اس بارے میں کوئی سوال کیا اور نہ کوئی تکرار کی۔ (۱۰۱)

محبتِ نبوی کا ایک اور مظہر دیکھیے۔ حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ (مدت معاہدہ ختم ہونے سے پہلے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومی سرزمین کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، تاکہ مدت ختم ہوتے ہی ان پر نہایت خاموشی سے یلغار کر دیں اور انہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکے۔

عین اسی لمحے میں، جب اسلامی لشکر حملے کے لیے پوری طرح تیار تھا، ایک شخص گھوڑے یا کسی اور سواری پر یہ کہتے ہوئے نمودار ہوا: ''اللہ اکبر! اللہ اکبر! وفا کرو، بے وفائی نہ کرو۔'' لوگوں نے دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا کر ان سے اس بات کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا کسی قوم سے

۱۰۰۔ بخاری: ج ۵، ص ۱۱۲

۱۰۱۔ بخاری: ج ۷، ص ۱۱۳

معاہدہ ہوتو وہ مدت پوری تک اس میں کمی وبیشی نہ کرے یا انہیں معاہدے کے ختم کرنے کے بارے میں پیشگی اطلاع دے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ سے واپس پلٹ گئے۔ (۱۰۲)

دیکھیے میدان جنگ میں، جب جذبات بپھرے ہوئے ہوتے ہیں، کس قدر احتیاط کی گئی اور حکم نبوی آنے پر کس طرح فوجیں واپس پلٹ گئیں، کوئی تاویل نہیں، کوئی عذر تراشی، بہانے بازی نہیں، کوئی ٹال مٹول نہیں۔

ایک مسلمان قیدی زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریشی سردار صفوان نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے خرید لیا۔ لوگ ان کو حرم سے باہر قتل کرنے کو لے گئے، قریش کا گروہ جمع تھا، حضرت زید کو قتل کرنے کے لیے آگے لا گیا تو مجمع میں سے ابوسفیان نے ان سے سوال کیا کہ، زید! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور ہم اسے قتل کرتے اور تم اس وقت آرام سے اپنے اہل خانہ میں ہوتے؟ حضرت زید فوراً بولے کہ بہ خدا مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد ﷺ اس وقت جہاں تشریف فرما ہیں انہیں کانٹا چبھے اور میں اپنے اہل خانہ میں آرام کے ساتھ بیٹھا رہوں۔

محبت اور عقیدت کے ایسے مظاہر ہی ایمان کی صحیح معنی میں علامت قرار پاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے انداز بھی نئے نئے نظر آتے ہیں، صحابہ کرام کا آں حضور ﷺ سے تعلق کوئی پوشیدہ امر نہیں، جسے بیان کرنے کے لیے کسی خاص تگ ودو کی ضرورت پیش آئے، مگر اس حوالے سے ایک اسلوب دیکھیے کہ بعض صحابہ اکرام فرط محبت، غایت احتیاط اور حد درجے فدائیت کے سبب آپ کو نظر بھر کر دیکھ ہی نہیں سکے۔ چناں چہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میری نظر میں آپ سے زیادہ کوئی صاحب عظمت نہ تھا، مگر میں نے آپ کے رعب وجلال کی وجہ سے کبھی آپ کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا۔ اس لیے اگر کوئی شخص مجھ سے آپ ﷺ کا سراپا بیان کرنے کے لیے کہے تو میں بیان نہیں کر پاؤں گا کیوں کہ میں نے آپ کو کبھی نظر بھر نہیں دیکھا۔ (۱۰۳)

اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

۱۰۲۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۵۶۸۔ ترمذی: ج ۲، ص ۱۱۳

۱۰۳۔ مسلم: رقم الحدیث، ۱۹۲

اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں تشریف لاتے، ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی ہوتے، مگر ان کے علاوہ کوئی آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ پاتا تھا۔ یہ حضرات آپ ﷺ کا دیدار کرتے اور مسکرادیتے اور آپ ان پر نظر کرم فرماتے اور تبسم فرماتے تھے، جب کہ دیگر صحابہ کرام جلال نبوت اور آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے مسلسل نظریں جھکا کر رکھتے تھے۔(۱۰۴)

اس واقعے کو بنیاد بنا کر شیخ ابوابراہیم التجیبی فرماتے ہیں کہ ہر بندہ مومن پر لازم ہے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک کیا جائے وہ کامل انہماک اور توجہ کا اظہار کرے، آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر میں حرکت تک نہ کرے اور اپنے اوپر اسی طرح ہیبت اور رعب طاری کرلے، جس طرح آپ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت صحابہ کرام پر ہیبت و جلال طاری ہوتا تھا۔(۱۰۵)

علامات محبت

محبت نبوی پر بات کرتے ہوئے یہ بات بھی ناگزیر ہے کہ ہم محبت نبوی کی علامات کا ذکر کریں، اور ان کی وضاحت کریں، تاکہ ایک بندۂ مومن ان علامات کو ہمہ وقت سامنے رکھے، اور تاکہ اسے اپنے طور پر خوداحتسابی کے لیے ایک کسوٹی میسر آسکے۔

اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس بحث کا خلاصہ چند نکات میں اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے:

الف: آپ ﷺ کی اقتدا اور پیروی:

انسانی زندگی کا یہ طے شدہ اصول ہے کہ انسان جسے پسند کرتا ہے، اور محبوب رکھتا ہے، اس کی ہر بات قبول کرتا اور اس پر دل سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ محبت نبوی جانچنے کی بھی اولین کسوٹی یہی ہوگی کہ انسان کس قدر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے، اور ہر طرح کے حالات میں، ہر نوعیت کی تلخی اور ترشی، سختی اور شدت برداشت کرتے ہوئے آپ کی ہدایت فرمودہ تعلیمات پر کس حد تک عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس امر کی دلیل اہل علم نے قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ سے لی ہے، جس میں ارشاد باری ہے:

۱۰۴۔ ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی۔ علموا اولادکم محبۃ رسول اللہ۔ بیروت: ص ۹۳

۱۰۵۔ ایضاً: ۹۲

۱۰۶۔ آل عمران: ۳۱

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(۱۰۶)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی ہے کہ انسان اپنے نفس کو حد درجے پسند خواہشات قربان کر کے آپ ﷺ کے حکم اور آپ کے عطا فرمودہ اوامر ونواہی کی بجا آوری کرتا ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۰۷)

اور (وہ مال) اُن کے لئے بھی ہے جنہوں نے اس گھر (مدینے) اور ایمان میں اُن سے پہلے جگہ بنائی، جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں پاتے اور اُن کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود اُن کو شدید ضرورت ہو اور جس نے اپنے نفس کو حرص سے بچا لیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

چناں چہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی لیس فی قلبک غشّ لاحد فافعل، ثم قال لی: یا بنی وذٰلک من سنتی ومن احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (۱۰۸)

اے بیٹے، اگر تم ایسا کر سکو کہ تم صبح وشام ایسی حالت میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے بارے میں ذرا برائی اور کینہ نہ ہو تو ایسا کر گزرو۔

۱۰۷۔ الحشر: ۹

۱۰۸۔ ترمذی: رقم ۲۶۷۸

پھر فرمایا: یہ میری سنت ہے، اور جس کسی نے میری سنت زندہ کی تو یا اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

ب۔ کثرتِ ذکر:

آپ ﷺ کی محبت کی دوسری اہم علامت آپ ﷺ کا کثرت ذکر ہے، اور آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہے۔ اس باب میں بھی صحابہ کرام کے آثار کثرت سے ہیں۔ وہ ہر طرح سے آپ ﷺ کی قربت کے خواہاں رہتے تھے، اور آپ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کا شوق و اشتیاق اور مزید بڑھ گیا تھا، جس کا اظہار نثر کے ساتھ نظم میں بھی ہوا ہے۔ ایک جگہ رجز کے الفاظ یہ ملتے ہیں:

غدا نلقی الاحبة
محمد و صحبه

ہم کل اپنے احباب سے ملیں گے، یعنی محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ سے۔

اس رجز کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت بھی یہی کلمہ ادا کیا تھا۔

ج۔ عاجزی وفروتنی:

تیسری علامت یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کا ذکر ہو، تو لہجے اور انداز سے عاجزی، فروتنی اور انک ساری ظاہر ہو، اور آپ ﷺ کا نام نامی ذکر ہوتے ہی خشوع وخضوع اور تعظیم وتکریم کا اظہار ہو۔ چناں چہ اسحاق التجیبی کہتے ہیں کہ صحابہ اکرام ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے، ان پر خوف ظاہر ہوجاتا، اور بکا کی کیفیت طاری ہوجاتی، یہی کیفیت بہت سے تابعین سے بھی منقول ہے۔

د۔ اہل بیت سے محبت:

محبت نبوی ﷺ کی چوتھی علامت آپ کی نسبت رکھنے والوں یعنی اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام سے محبت ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا:

اللھم انی احبهما فاحبهما

اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، سو تو بھی ان سے محبت فرما۔

اور دوسری روایت میں حضرت حسین کے لیے فرمایا:

اللّٰھم انی احبہ فاحب من یحبہ

اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں سو تو بھی اس سے محبت فرما، جو اس سے محبت رکھے۔

اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

انھا بضعۃ منی یغضبنی ما اغضبھا

فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو اسے ناراض کرے گا، وہ مجھے ناراض کرے گا۔

اور انصار مدینہ کے لیے فرمایا:

آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغضھم

ایمان کی علامت انصار سے محبت اور منافقت کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

اور صحابہ کرام کے بارے میں فرمان نبوت ہے:

اللہ اللہ فی اصحابی، لاتتخذوھم غرضاً بعدی، فمن احبھم فبحبی احبھم، و من ابغضھم فببغضی ابغضھم، و من آذاھم فقد آذانی و من آذانی فقد آذی اللہ و من آذی اللہ یوشک ان یاخذہ

اللہ اللہ، اے صحابہ کا خیال رکھنا، انہیں میرے بعد نشانہ نہ بنانا، جو ان سے محبت رکھے گا، وہ میری وجہ سے ان سے محبت رکھے گا، اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میری وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، اور جس نے صحابہ کو تکلیف پہنچائی، تو گویا اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو گویا اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی، اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

ھ۔ امت محمدیہ پر شفقت:

اور ایک اہم ترین علامت امت محمدیہ پر شفقت اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الدین النصیحۃ، قلنا لمن یا رسول اللہ؟ قال للہ ولکتابہ، ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم(۱۰۹)

۱۰۹۔ مسلم: رقم ۱۹۵

دین تو سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، اور مسلمان ائمہ کی، اور عامۃ الناس کی۔

و۔ زہد و فقر:

محبت نبوی کی ایک علامت زہد، فقر اور ایثار ہے، یہ تمام خصوصیات نبوت ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ سے محبت کا دعویٰ رکھنے والوں کے لیے اس کا اہتمام زیادہ ضروری ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

ان الفقر الی من یحبنی منکم اسرع من السیل من اعلیٰ الوادی او الجبل الی اسفله

اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے محبت ہے، آپ نے فرمایا کہ سوچ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے تین بار اپنی بات دہرائی تو آپ ﷺ اللہ نے فرمایا

ان کنت تحبنی فاعد للفقر تجفافاً (۱۱۰)

خلاصۂ کلام

محبت نبوی ﷺ مومن کے ایمان کا جز، اس کا تعارف، ایمان کی ضمانت اور اخروی کامیابی کی کلید ہے، یہی سبب ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے اس جانب خصوصیت سے توجہ دلائی اور اس کو ایمان کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ اس لیے اس حوالے سے امت مسلمہ میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں، البتہ محبت نبوی کے تقاضے کیا ہیں؟ اس جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

اسلام عملی دین ہے، یہ محض فلسفیانہ مباحث پر اکتفا نہیں کرتا، نہ محض خیالات و تصورات پیش کرتا ہے۔ اس کی ہدایات اسی لیے آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قابل عمل و قابل تنفیذ ہیں کہ وہ عمل کی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں، ان کی حیثیت محض فکری موشگافیوں کی نہیں، جیسا کہ بہت سے مذاہب و ادیان کے تصورات میں ہمیں نظر آتا ہے۔ اس لیے ہمارے لیے یہ بات زیادہ ضروری ہے کہ محبت نبوی کو محض عقیدے اور عقیدت کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی بہ جائے اس کا عملی پیغام تلاش کریں۔

۱۱۰۔ علامات محبت کی یہ بحث قاضی عیاض کی الشفا سے قدرے اختصار اور اضافوں کے ساتھ ماخوذ ہے۔ از ج ۲، ص ۱۶، ۱۹

محبت نبوی کا عملی پیغام خود ان آیات کلام الٰہی اور احکامات نبوی میں پوشیدہ ہے، جو محبت نبوی کی تلقین کرتی ہیں۔ اور وہ ہے اتباع نبوی۔ محبت سبب ہے پیروی کا، اور اتباع اور پیروی مقصود ہے۔ یہ نکتہ اتنے عمدہ انداز میں قرآن حکیم نے بیان کر دیا ہے کہ اس باب میں کوئی دوسری تاویل کی ہی نہیں جاسکتی۔ قرآن حکیم کا یہ فرمان پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ زبان نبوت سے کہلوتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۱۱۱)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

یعنی اللہ کی محبت کے حصول کا آسان ترین ذریعہ نبی کریم ﷺ کی اتباع ہے۔ یہاں محبت کے لیے اتباع کو ذریعہ بنایا گیا، کیوں کہ محبت کے اظہار کے بارے میں انسانی آرا مختلف ہوسکتی تھیں، لیکن اتباع کا کوئی دوسرا مفہوم نہیں ہوسکتا، سوائے اس کے کہ جیسے آپ ﷺ عبادات ادا فرماتے تھے ویسے ہی عبادات ادا کرو، جیسے آپ معاملات فرماتے تھے، ویسے اپنے معاملات رکھو، اور جیسے آپ کے اخلاق تھے، ویسے ہی اپنے برتاؤ اور کردار کو مرتب کرو۔

یہی پیغامِ سیرت آج کی زندہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کا راستہ آسان فرمائے۔ آمین

۱۱۱۔ آل عمران: ۳۱